پروفیسر احسان احمد بدوی مرحوم
مترجم، رحمت فرخ آبادی ایم، اے

جدوجہدِ آزادی اور سندھ

ابتدائے آفرینش ہی سے پاکیزۂ فطرت نے انسان میں آزادی کے عنصر کو غالب رکھا ہے۔ انسانی تاریخ و تمدن کا ایک طائرانہ مطالعہ اس بات کی وضاحت کے لیے کافی ہوگا کہ ذہنِ انسانی میں یہ جذبہ بدرجہ اتم موجود ہے۔ دنیا کی قدیم بت پرست قوموں نے آزادی کو ایک دیوی کے نام سے منسوب کیا ہے، وہ اس کی پوجا کرتی تھیں۔ یہ زمین جس پر رہنے کا ہمیں شرف حاصل ہے، اس کا ذرہ ذرہ ان انسانوں کے قیمتی خون سے لالہ زار بن چکا ہے جنھوں نے جذبۂ آزادی کا احترام کرتے ہوئے ہنستے کھیلتے اپنے سر قلم کرا دیے۔ اقوامِ عالم کے تذکروں میں ایسی روایتیں بکثرت موجود ہیں لیکن ایسے لاتعداد شہیدوں کے کارناموں کی صحیح تفصیل سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں ہے۔

۱۸۴۳ء سندھ کی تاریخ میں وہ منحوس سال ہے جب انگریزوں نے سندھ کے تالپور حکمرانوں کی کمزوری اور اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، میانی اور دبّہ کی جنگ میں خوں ریز معرکوں کے بعد ان سے ہمیشہ کے لیے سندھ کا تخت و تاج چھین لیا۔ اہلِ سندھ اپنی آزادی کی دولت کو گنوا کر سیاسی طور پر مفلس ہو گئے۔ فرنگی حکومت کے قیام کے اعلان کے بعد سر چارلس نیپیر کے استبدادی اور فولادی پنجے کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی جس نے افرنگی تدابیر کے ذریعے ہندوستان کی بڑی بڑی علاقائی سلطنتوں کی بساط الٹ دی تھی، اس کے مقابلے میں اہلِ سندھ کی تدبیر اور طاقت بے نتیجہ ثابت ہوئی۔ سندھ کے تالپور میر حکمران ان کی طاقت سے ابتدا ہی سے ایسے مرعوب تھے کہ کچھ نہ کر سکے۔ انگریز اس نئے مفتوحہ علاقے کے نظم و نسق کو مستحکم کرنے میں ہمہ تن مشغول ہو گئے اور سندھ کے ایک خاص امیروں کے گروہ نے اپنے جاگیرداری نظام کو برقرار رکھنے میں فاتح کا ساتھ دیا، اس طرح عوام کا جذبۂ آزادی بے نتیجہ رہا۔

شوخ اور بے مروت جنرل چارلس نیپیر[1] سندھ میں برطانوی حکومت کی بنیادوں کو استحکام بخشنے

۱؎ سر چارلس نیپیر کی تشدد پسندانہ پالیسی کے لیے دیکھیے میجر آؤٹرام کی تحریر کردہ کتاب Conquest of Scinde

کے بعد یہاں سے چلا گیا، سندھ کی فتح کی وجہ سے سر چارلس نیپیئر کی اتنی شہرت ہوئی کہ اس کا نام انگریزوں کی تاریخ میں زندۂ جاوید ہو گیا۔

لیکن سر چارلس نیپیئر کے سندھ سے جانے کے بعد اس بدقسمت علاقے پر ایک دوسری مصیبت نازل ہوئی۔ اس وقت کا ایسٹ انڈیا کمپنی کی مقبوضات کا گورنر جنرل لارڈ ہارڈنگ اس صوبے کی انفرادی حیثیت کو ختم کرنے کے درپے ہو گیا۔ اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کو لکھا کہ سندھ کے گورنر کا عہدہ ختم کر کے یہاں لیفٹیننٹ گورنر یا کمشنر مقرر کیا جائے اور سندھ کا الحاق صوبہ بمبئی سے کر دیا جائے۔ ابھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے اجارہ دار اس بارے میں غور ہی کر رہے تھے کہ لارڈ ہارڈنگ نے اس وقت کے صوبہ بمبئی کے گورنر سر جارج کلارک کو لکھا کہ وہ سندھ کے لیے کوئی کمشنر مقرر کرے[۲] چنانچہ اس عہدے کے لیے بمبئی کی سول سروس کے ایک عہدے دار آر، کے پرنگل کو منتخب کیا گیا، جو مظفر نامی بحری جہاز کے ذریعے کراچی آیا۔ اس طرح سندھ تقریباً ایک صدی تک ایک اجنبی اور دور دراز ملک سے ملحق رہا کہ اپنی انفرادی عظمت تک کھو بیٹھا۔

سندھ ایسے انقلابی دوروں سے خاموشی کے ساتھ گزرتا رہا، لیکن آزادی کی خلش جو انسانی رگ و ریشے میں بری طرح سرایت کیے ہوئے ہے، غیروں کی غلامی کے خلاف ابھرتی رہی۔ اسی دوران ہند اور سندھ میں انگریزوں کی حکومت کے خلاف نفرت کا جذبہ مزید سرایت کر گیا، اور اس جذبے نے ایک منظم عمل کی صورت اختیار کر لی۔ اس منظم عمل کو مورخین نے اپنے سفید فام آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے "غدر" اور "بلوے" کا نام دیا اور اس طرح فدائین جذبۂ آزادی کو اپنے ہی ساتھیوں نے باغی اور بلوائی کا لقب دے دیا۔

انقلاب کے اہم مرکز

ہندوستان میں انگریزوں کے قدم مضبوطی سے جم چکے تھے اور مقامی ریاستوں میں اتنا دم خم نہ رہا تھا کہ وہ انگریز بازی گروں کو ملک سے باہر نکال سکیں۔ ہمیں اس امر پر تعجب ہوتا ہے کہ ایک ایسے ماحول میں، ایک منظم طاقت کے مقابلے میں بے بس اور لاچار عوام کس طرح منظم ہو گئے۔ عوام کے اس اشتعال انگیز جذبے

Selection from The pre-Mutiny record, P, 355-390 ۲

سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک اجنبی حکومت کی غلامی کو وہ ابتدا ہی سے نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ آخر نئے بڑے انقلاب کو روبہ عمل لانے کے لیے، وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر عوام سر دھڑ کی بازی لگا دینے کو تیار ہوئے؟

سر سید احمد خاں نے اپنی کتاب "اسباب بغاوتِ ہند" میں اس بنیادی نکتے پر کافی تفصیل سے لکھا ہے۔ درحقیقت مغل حکمرانوں میں شاہ عالم ثانی وہ بدقسمت حکمران تھا جو انگریزوں کے دام فریب میں گرفتار ہو گیا تھا اور اس وقت کے انگریز گورنر جنرل لارڈ ولزلی نے مغل تاجدار کی خوشامد کرنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ یہاں تک کہ انگریز کمانڈر انچیف نے شاہ عالم کو ایک خوشامد بھرے خط میں لکھا کہ "میں دل سے اعلیٰ حضرت کا عقیدت مند ہوں اور اعلیٰ حضرت کے احکام کی تابعداری کروں گا"[۵۳] لیکن یہ تابعداری صرف الفاظ اور کاغذ تک ہی محدود تھی، جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، انگریز افسروں کی رعونت میں اضافہ ہوتا گیا، چنانچہ آخری مغلیہ حکمران بہادر شاہ ظفر کے ساتھ ان کا سلوک نہایت ہی ناروا بلکہ ظلم و تعدی پر مبنی تھا۔ مغربی حکمران اب ۱۸۰۳ء والے انگریز نہ تھے بلکہ اب وہ پنجاب، سندھ اور سرحد کے علاقوں کو بزورِ تلوار حاصل کر کے پورے برصغیر کے مالک بن چکے تھے اور اسی وجہ سے انھیں اب مغل حکمران کی خوشامد کی ضرورت ہی نہ تھی۔ وہ روایتی تابع داری سے اب بالکل آزاد ہو چکے تھے۔ عوام بھی ان کے اس ناروا سلوک سے نالاں تھے۔ اگرچہ مغلیہ سلطنت کا وہ پہلا عروج و اقتدار باقی نہ رہا تھا لیکن اس کے باوجود بہادر شاہ ظفر ان کی ایک محبوب شخصیت تھی۔

جنوبی ہندوستان میں پیشواؤں کی حکومت کے خاتمے کے بعد انگریزوں نے آخری پیشوا باجی راؤ کو بٹھور میں نظر بند کر دیا تھا اور اسے ایک معقول وظیفہ ملتا تھا۔ ۱۸۵۱ء میں باجی راؤ کی وفات کے بعد اس کے متبنیٰ نانا صاحب کو کمپنی کی حکومت نے اس کے جائز وظیفے سے بھی محروم کر دیا تھا، چنانچہ نانا صاحب نے اس ناانصافی کے خلاف اپنے مشیر مولوی عظیم اللہ کو انگلستان بھیجا لیکن ان کے اس سفر کا کوئی نتیجہ نہ نکلا، چنانچہ ناامیدی اور ناانصافی کا بدلہ لینے کے لیے نانا صاحب، ان کے مشیر مولوی عظیم اللہ خاں اور تانتیا ٹوپی نے جنگِ آزادی کا منصوبہ تیار کیا۔

---

۵۳ India Office Records, p. 196

یہ تھی اس دور کے فرنگی سامراج کی سیاست جس کی وجہ سے عوام کے دل انگریزوں کی حکومت کے خلاف نفرت سے بھرے ہوئے تھے، لیکن فرنگی عمل داری کی ناروا حرکتیں روز بروز بڑھتی گئیں، یہاں تک کہ ۱۸۵۵ء میں پادری ایڈمنڈ نے کلکتے سے سرکاری ملازمین کو یہ ہدایت جاری کی کہ "اب چونکہ ہندوستان ایک عمل داری کے تحت آگیا ہے، اس لیے لازم ہے کہ عوام کا مذہب بھی ایک ہو اور اس سلسلے میں بہتر یہ ہے کہ تم سب عیسائی مذہب قبول کر لو۔"[۵۴] اس سرکیولر کے مطالعے کے بعد سرکاری ملازمین میں ہیجان پھیل گیا اور انھوں نے یہ سمجھا کہ اب ان کی موت کی گھڑی قریب آگئی ہے۔ مذہب کے پرستار اہلِ ہندوستان کے لیے یہ ایک بہت بڑی آزمائش تھی۔ کیوں کہ ۱۸۱۹ء میں ایک قانون کے ذریعے لوگوں کی ان زرعی اراضی پر زبردستی قبضہ کر لیا گیا تھا جو گزشتہ حکمرانوں نے انھیں عنایت کی تھیں۔ اس قانون کے خلاف لارڈ ولنگٹن اور لارڈ منرو جیسے سیاست دانوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے احتجاج کیا تھا۔[۵۵] عوام سے ذریعۂ معاش چھین کر انگریز حکومت نے انھیں تنگ آمد بجنگ آمد کے اصول پر مقابلے کے لیے تیار کیا تھا۔ ان حقایق کا تذکرہ سرسید احمد خاں نے بہت وضاحت سے اپنی کتاب اسبابِ بغاوتِ ہند میں کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس میں ایک اہم ترین عنصر انگریز عمل داروں کی نامناسب روش اور رعونت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عوام کے دلوں میں انگریزوں کے تشدد آمیز رویے نے نفرت کے ساتھ ساتھ کئی شکوک و شبہات بھی پیدا کر دیے تھے اور اسی وجہ سے ان کے خلاف تحریک چلانے کی ہر ایک نے تائید کی تھی۔ ۱۸۵۷ء کے اوائل کی خاموش فضا میں آئندہ مصائب کے ہتھیار پوشیدہ تھے اور دہلی، لکھنؤ، کان پور اور میرٹھ اس عوامی جدوجہد کے مرکز بن گئے تھے۔

بنگال آرمی کی بغاوت

بعض مورخین کا یہ خیال ہے کہ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کی روحِ رواں بنگال آرمی تھی۔ یہ فوج صرف نام کے طور پر بنگال آرمی تھی، مگر اس میں بنگالی برائے نام تھے۔ پوری بنگال آرمی میں اکثریت یوپی اور پنجاب کے سپاہیوں کی تھی اور یہ وہی فوج تھی جس کے بل بوتے پر انگریزوں نے پنجاب اور سندھ کو فتح کیا تھا لیکن

---

۵۴ اسبابِ بغاوتِ ہند۔ سرسید احمد خاں۔ ص ۱۷

۵۵ ایضاً۔ ص ۲۰ ــــ اسی طرح اودھ کی حکومت کے خاتمے نے بھی عوام میں فرنگی اقتدار کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ نواب واجد علی خاں کی کس مپرسی اہلِ لکھنؤ کے دل سے دور نہ ہوئی تھی۔ بالکل یہی حالت جھانسی کی رانی کی تھی جس کے حقوق لارڈ ڈلہوزی نے غصب کیے تھے۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس فوج کے حساس سپاہیوں کے دلوں میں انگریزوں کی اس روش کے خلاف جو اس نے دیسی ریاستوں کے خلاف روا رکھی تھی، نفرت کے جذبات پیدا ہو گئے تھے۔ بنگال آرمی کا سلسلہ کلکتے سے سندھ تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ بنگال آرمی ہی تھی جس نے نئے کارتوسوں کے استعمال کے خلاف نہ صرف احتجاج کیا بلکہ انھیں استعمال کرنے سے بھی انکار کیا اور پھر مئی ۱۸۵۷ء میں اس فوج نے کھلم کھلا اعلانِ بغاوت کر دیا۔ چنانچہ میرٹھ سے تقریباً دو ہزار سپاہی دہلی روانہ ہوئے، جہاں بنگال آرمی کے جوان ان میں مزید شامل ہو گئے۔ اسی طرح بخت خان جو اس مہم کے ایک اہم رہنما تھے، بریلی سے فوج لے کر دہلی آئے اور یہاں قبضہ کرنے کے بعد بہادر شاہ ظفر کو اپنے ساتھ شامل کیا۔ اس انقلابِ عظیم میں تیموری خاندان کی شرکت کی وجہ سے انقلابیوں کو ہر طرف سے مدد ملی۔ چنانچہ لکھنؤ، کان پور، میرٹھ، بریلی اور دہلی انقلابیوں کی سرگرمیوں کے بڑے اور اہم مرکز بن گئے۔ برصغیر کے ہر حصے میں اس تحریک آزادی کا خیر مقدم کیا گیا۔ سندھ بھی اس تحریک سے کسی طور پر الگ نہ رہا۔

جدوجہدِ آزادی سندھ میں

اس پُر آشوب دور میں سندھ کا کمشنر سر بارٹل فریئر تھا جس کے نام پر کراچی کا فریئر ہال موسوم ہے۔ فریئر ۱۸۵۶ء کے اوائل میں خرابیٔ صحت کی بنا پر انگلینڈ چلا گیا تھا اور اس کی خواہش کے بموجب جنرل جان جیکب سندھ کا قائم مقام کمشنر مقرر ہوا۔ اپریل ۱۸۵۷ء میں جنرل جیکب ایران کی مہم پر روانہ ہوا، اور اس کی جگہ ایک سول افسر ایلیس قائم مقام کمشنر مقرر ہوا۔ مارچ ۱۸۵۷ء میں سر بارٹل فریئر انگلینڈ سے روانہ ہوا، اور بمبئی ہوتا ہوا، ۱۸ مئی ۱۸۵۷ء کو کراچی پہنچا، وہ ابھی گورنمنٹ ہاؤس پہنچا ہی تھا کہ اس کے جوڈیشل اسسٹنٹ مسٹر گبس نے اسے نارتھ ویسٹرن ریلوے کے منیجر کا خط دیا۔ یہ خط ۱۲ مئی کا تحریر کردہ تھا اور اس میں مندرج تھا:

"ہم یہاں خوف و انتظار کی حالت میں دن گزار رہے ہیں۔ دہلی میں ہندوستانی فوجیں باغی ہو گئی ہیں۔ تمام عیسائی قتل کر دیے گئے ہیں۔ دیگر مقامات پر بھی فوج کی حالت تسلی بخش نہیں ہے۔ یہاں پر بھی بہت زیادہ خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے۔ اس وقت پوری فوج پریڈ کے لیے میاں میر کے میدان میں نکل آئی ہے۔ فوجی کمانڈر کو امید ہے کہ کسی نہ کسی طرح ان سے ہتھیار رکھوا لیے جائیں۔ یہاں صرف سات سو انگریز اور ناکافی توپخانہ ہے۔ اس وقت دس بجے ہیں اور تمام دیسی سپاہیوں کو غیر مسلح کر دیا گیا ہے اور ان سب کو

سر جان لارنس[۵۶] سے ملنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہمیں سب سے زیادہ خطرہ امرتسر کے لیے ہے کیوں کہ وہاں کوئی انگریز فوج موجود نہیں ہے۔"[۵۷]

نووارد سر بارٹل فریر پر اس خط کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ وہ ابھی سفر کی تھکان تک دور نہ کر سکا تھا کہ آنے والے طوفان کے مصائب میں گرفتار ہو گیا۔ چنانچہ اس نے بغیر کسی غور و فکر کے اس جہاز کے کپتان کی معرفت جو اسے بمبئی سے کراچی لایا تھا، جنرل جان جیکب اور آئوٹرام کو خط بھیجے اور جہاز کے کپتان کو یہ تاکید کی کہ وہ یہ خط کچھ کے قائم مقام پولیٹیکل ایجنٹ کیپٹن ریکس کے حوالے کرے جو خلیج فارس کی طرف ارسال کی جانے والی ڈاک کا ذمے دار ہے۔ سر بارٹل فریر نے اپنے خط میں جنرل جان جیکب کو لکھا کہ:

۱۸ مئی ۱۸۵۷ء

"مجھے یہاں آتے ہی جو خبریں ملی ہیں وہ اس طرح ہیں ... نہایت گنبھیر حقیقت ہے۔ اگرچہ لاہور سے جو اطلاعات آتی ہیں، ان میں مبالغہ ہے۔ لیکن میں یہ اطلاع تمھارے اور آئوٹرام کے مشورے کے لیے روانہ کر رہا ہوں۔ واقعی تمھاری پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔"

دوسرے دن سر بارٹل فریر نے آئوٹرام کو لکھا:

۱۹ مئی ۱۸۵۷ء

اس خط کے ہمراہ مسٹر میکلوڈ فنانشل کمشنر پنجاب کا خط ملفوف ہے، جس کے مطالعے سے تمھیں معلوم ہوگا کہ حالات کس قدر نازک صورت اختیار کر گئے ہیں، میں نے جیکب کے پاس برنٹن کا خط ارسال کر دیا ہے جس میں تمام حقائق کی مفصل وضاحت ہے۔ میں سندھ کے حالات پر روز غور کرتا ہوں اور جائزہ لیتا ہوں اور ہر ایک خطرناک خبر کو سننے کے لیے تیار رہوں۔ تمھیں معلوم ہے کہ ہماری طاقت کس قدر کمزور اور محدود ہے۔ اگر تم خلیج فارس کے علاقے سے کچھ سپاہی بھیج دو تو وہ شمال مغربی علاقے میں بہت مفید ثابت ہوں گے۔ برائے مہربانی مجھے یہ اطلاع دو کہ تم کتنے سپاہی کراچی بھیج سکتے ہو۔"[۵۸]

---

۵۶ سر جان لارنس، اس زمانے میں پنجاب کا لیفٹیننٹ گورنر تھا۔

۵۷ لائف آف سر بارٹل فریر۔ مصنف مارٹینو۔ ج ۱، ص ۱۷۲

۵۸ ایضاً۔ ص ۱۷۹

درج بالا خطوط سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بارٹل فریر آیندہ پیش آنے والے واقعات کے خوف سے کس حد تک پریشان تھا۔ ملک میں افواہوں کا بازار گرم تھا لیکن اس کے باوجود سندھ میں انقلابی سرگرمیاں اتنی تیز نظر نہیں آئیں۔ ہندوستان میں یکم مئی کو عجیب افراتفری کا عالم تھا جبکہ اس کی بہ نسبت سندھ میں خاموشی طاری تھی۔ بارٹل فریر کو اسی وجہ سے یہ پریشانی تھی کہ سندھ میں انگریزی فوج کی تعداد ناکافی ہے۔ چنانچہ اسی زمانے میں اس نے بمبئی کے گورنر لارڈ ایلفنسٹن کو جو خطوط لکھے ان میں متواتر فوج کی کمی کی شکایت کی۔ اسے اس بات کا بھی صدمہ تھا کہ ایسے نازک وقت میں انگریزی فوج کا ایک قابل افسر جان جیکب بھی سندھ سے باہر ہے اور سندھ میں مقیم برطانوی فوج ماتحت افسروں کی کمان میں تھی۔ اس کے باوجود اس نے آنے والے طوفان کے مقابلے کے لیے پیش بندی کر لی تھی۔ چنانچہ دریائے سندھ میں چھوٹے جہازوں کی آمد و رفت کو باقاعدہ طور پر جاری رکھا گیا۔ محدود تعداد میں توپ خانہ ہونے کے باوجود منظم کیا گیا۔ انگریزی اور سندھی پریس پر نگاہ رکھی گئی، کراچی کو جودھ پور کے راستے کلکتے سے ملایا گیا اور اس کام کے لیے لیفٹیننٹ تروٹ کو میر پور اور عمرکوٹ کا ڈپٹی کلکٹر مقرر کیا گیا۔ جس نے نہایت تیزی اور مستعدی سے اس کام کو سرانجام دیا۔ چنانچہ جون ۱۸۵۷ء میں سر بارٹل فریر نے لارڈ ایلفنسٹن کو جو خط لکھا۔ اس میں اس نے نوجوان تروٹ کی کافی ستائش کی۔ اس کے بعد اس دوراندیش کمشنر نے دیسی آدمیوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی حکمت عملی اختیار کی، کیونکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ حفاظتی پیش بندی سے زیادہ اہم اور کارآمد اس ملک کے عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ اس کی یہ حکمتِ عملی بہت کامیاب رہی، اور اسی لیے اس نے لارڈ ایلفنسٹن کو لکھا کہ

" ہو سکتا ہے کہ یہاں کے مسلمانوں میں بھی فساد کی آگ بھڑک اٹھے لیکن اس کے باوجود کیا یہ لازم نہیں ہے کہ کسی کے ساتھ دوستی کی جائے۔ اس کے علاوہ یہاں کی مسلمان قومیں یعنی بلوچ اور سندھی، دکن اور گجرات کے لوگوں سے زیادہ بلند اخلاق اور صلح پسند ہیں مجھے اطلاع ملی ہے کہ میر پور خاص کے سابق امیر، میر شیر محمد اور دیگر سرداروں نے آپس میں یہ مشورہ کیا ہے کہ اگر سندھ میں بھی بغاوت کے آثار پیدا ہو جائیں تو کیا کیا جائے۔ ان کا یہ خیال ہے کہ میدانِ جنگ میں لڑنا تو بہادری ہے لیکن دھوکا اور فریب سے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا گمراہی اور نامردی ہے۔"[۹]

---

[۹] لائف آف سر بارٹل فریر۔ ص ۱۹۳

سر بارٹل فریر کے اس خط کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ میں تحریکِ آزادی کی اعانت کرنے سے اس وقت کا ممتاز طبقہ بہت دور تھا۔ انگریز قوم کی یہ خوش قسمتی تھی کہ خود ابنائے وطن اغیار کی غلامی پہ تیار تھے۔ بہرحال جس خطرے کا خدشہ تھا وہ آکر رہا۔ انقلابیوں کی سرگرمیوں کا مرکز حیدرآباد تھا، اور ان کا یہ ارادہ تھا کہ حیدرآباد کے قلعے پر قبضہ کرنے کے بعد اسے فوجی اڈہ بنا دیا جائے۔ انقلابیوں کا دہلی پر قبضہ اور ناناصاحب کے ہاتھوں کان پور میں انگریزوں کا قتلِ عام، نہایت اہم واقعات تھے۔ بارٹل فریر نہایت سکون وصبر سے ہر تحریک کو دیکھ رہا تھا اور اب وہ خطرہ سر پر آگیا جس کا ڈر تھا۔

سب سے پہلے حیدرآباد میں خطرے کا وقت آیا۔ انقلابیوں کا ارادہ تھا کہ حیدرآباد پر قبضہ کرنے کے بعد خیرپور، روہڑی، بہاول پور اور ملتان پر بھی قبضہ کیا جائے۔ اگر وہ اپنے اس منصوبے میں کامیاب ہو جاتے تو یقیناً سندھ میں ابتری پھیل جاتی۔ ۸ ستمبر کی شام کو توپ خانے کے ایک دیسی صوبے دار میجر نے کمانڈنگ آفیسر لیفٹیننٹ بیٹس کامبے کو یہ اطلاع دی کہ فوج کے بعض یونٹوں میں کچھ خفیہ سرگرمیاں ہیں جن کے بارے میں ازحد رازداری برتی جا رہی ہے۔ چنانچہ یہ حقیقتِ حال بیٹس کامبے نے بریگیڈیر مارس کو بتائی۔

حیدرآباد

اس طرح اس حقیقتِ حال کی تحقیق کی گئی اور اس بات کا پختہ یقین ہونے کے بعد توپوں کا چارج انگریز سپاہیوں کے سپرد کیا گیا۔ پولیس اور ۱۳ نیٹو انفنٹری کے سو منتخب سپاہیوں کو قلعے کے اندر بھیجا گیا اور انگریز عورتوں اور بچوں کو قلعے میں حفاظت میں لے لیا گیا۔ اگرچہ چھاونی میں مکمل خاموشی تھی لیکن کسی آنے والے خطرے کے خوف سے ہر انگریز پریشان تھا۔ سندھ کے کمشنر بارٹل فریر کو رات کے بارہ بجے حیدرآباد کے حالات سے مطلع کیا گیا جس نے فوراً ہی کرنل ہٹ کو طلب کیا، اس طرح وہ رات دو بجے بارٹل فریر کے پاس پہنچا جو اپنے شب خوابی کے کمرے میں پلنگ کے کنارے بیٹھا ہوا تھا۔ چنانچہ باہمی مشورے سے دونوں نے توپ خانے کے ساٹھ نئے بھرتی شدہ سپاہیوں اور پچاس رضاکاروں کو لیفٹیننٹ ہیرس کی کمان میں حیدرآباد بھیجنے کا اہتمام کیا۔ کرنل ہٹ نے یہ تمام انتظام سورج طلوع ہونے سے قبل کر لیا تھا اور اس طرح یہ مختصر سا دستہ طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی حیدرآباد کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔[۱۰]

---

۱۰ لائف آف سر بارٹل فریر۔ ص ۲۰۹

۱۰ ستمبر کا دن انقلابیوں کی عملی کاروائی کے لئے مقرر تھا لیکن انگریز افسروں نے اس سے قبل ہی اس منصوبے کو ناکام بنا دیا تھا۔ لیفٹیننٹ ہیرس کو بارٹل فریر نے ہدایت دی تھی کہ وہ جاتے ہی انقلابیوں کو گولی مارنے اور دوسری عبرت ناک سزائیں دے۔ اگرچہ ۱۲۔ نیٹو انفنٹری سے اس سے قبل ہی ہتھیار رکھوائے جا چکے تھے اور عملی قدم اٹھانے کے لیے اب کوئی متنفس باقی نہ رہا تھا لیکن اس کے باوجود انگریزوں کے شک و شبے میں کوئی تبدیلی نہ آئی اور انھوں نے ۱۳ نیٹو انفنٹری کے ایک بدنصیب حوالدار اور کچھ سپاہیوں کو بغاوت کے جرم میں پکڑ لیا اور انھیں کورٹ مارشل کے حوالے کیا گیا جس نے انھیں توپ کے منہ سے باندھ کر اڑانے کا فیصلہ کیا اور باقی چار مبینہ باغی افراد کو عمر قید کی سزا دی گئی۔ ۱۱ ستمبر کو پریڈ کا میدان اس خونی ڈرامے کی اسٹیج کے لیے تیار کیا گیا۔ حوالدار کو توپ کے منہ کے ساتھ بہت مضبوطی سے باندھ دیا گیا۔ اس کی آنکھیں آسمان کو تک رہی تھیں۔ توپ کا گولہ فائر کیا گیا۔ ایک خطرناک آواز کے ساتھ قیدی کے جسم کے ٹکڑے آسمان کی طرف اڑے۔ زمین پر خون کی بارش ہوئی، فضا پر خاموشی طاری ہو گئی اور اس طرح ایک حوالدار کی موت سے حیدر آباد کے انقلابیوں کے جذبات میں سکون آ گیا اور کوئی دوسرا ناگوار واقعہ پھر پیش نہ آیا۔

کراچی

ستمبر ۱۸۵۷ کے دوسرے ہفتے میں بارٹل فریر کچھ دن آرام کی غرض سے اپنے کانٹن پر واقع بنگلے میں منتقل ہو گیا تھا، اس کے ہمراہ گولڈ سمڈ اور جان آرتھر تھے۔ ۱۳ ستمبر کی رات گویا ۱۴ ستمبر کی صبح کے وقت عین اس وقت جب دہلی میں انقلابیوں نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دی تھیں، دو بجے شب گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز بلند ہوئی اور گھڑ سوار نہایت تیزی سے بارٹل فریر کے بنگلے میں داخل ہوا۔ کچھ دیر انتظار کے بعد گھڑ سوار جس کا نام کیپٹن باب جانسن تھا بارٹل فریر کے شب خوابی کے کمرے میں داخل ہوا[۱۱۵] اور زور سے کہا کہ ۲۱ رجمنٹ نے بغاوت کر دی ہے۔ یہ آواز سن کر گولڈ سمڈ اور جان آرتھر نیند سے بیدار ہو گئے۔ اگرچہ انھوں نے یہ خبر دیسی ملازمین سے چھپانے کی کوشش کی لیکن وہ اس حقیقت حال سے بخوبی آگاہ تھے کہ ان کے آقا کس مصیبت میں مبتلا ہیں۔

کیپٹن جانسن نے یہ اطلاع دی کہ "تقریباً ایک بجے رات کو دو دیسی افسروں نے ۲۱ رجمنٹ کے کمانڈنگ آفسر

---

۱۱۵ لائف آف سر بارٹل فریر - ص ۲۱۰

میجر منٹگمری کو یہ اطلاع دی کہ ایک حوالدار نے فوج کے سپاہیوں سے کہا کہ "تم کب تک اپنی توپوں کو خالی رکھو گے۔ ہندوستان میں تو انقلاب آچکا ہے" اور یہ کہ اس نے مزید کہا کہ "انقلابی منصوبہ بازوں نے رات کو دو بجے علم بغاوت بلند کرنے کی تیاریاں کی ہیں۔ ایک آدمی انقلابیوں نے ۱۴ نیٹو انفنٹری کے پاس مدد حاصل کرنے لیے روانہ کر دیا ہے۔ دوسرا آدمی شہر کے مسلمانوں کے پاس بھیجا ہے کہ ان سے بھی امداد حاصل کی جائے۔ ان کا یہ ارادہ ہے کہ یورپی لوگوں کو قتل کر دیا جائے اور اگر کوئی دیسی افسر مخالفت کرے تو اس کا بھی کام تمام کر دیا جائے، اور یہاں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ان کا ارادہ دہلی کی طرف جانے کا ہے۔ اور یہ کہ میجر منٹگمری نے ایک دیسی حوالدار کو بلا کر اس سے مزید معلومات حاصل کی ہیں، اندیشہ ہے کہ وقتِ مقررہ پر کوئی بڑا فساد ہوگا۔" اس اطلاع کے ملنے پر بارٹل فریر، گولڈسمڈ اور جان آرتھر تینوں سمندر کی طرف کے میدان کو پار کر کے اپنی بگھی کے پاس پہنچے جو پہلے ہی سے تیار تھی، اس طرح بارٹل فریر اس کے ذریعے تیزی سے اپنے بنگلے پر پہنچا، جہاں یورپی عورتیں اور بچے جمع تھے۔ یہاں اس نے نہایت ہی مستعدی سے عورتوں اور بچوں کی حفاظت کا کام مسز میری ویدر کے حوالے کیا۔ یہ میجر میری ویدر کی اہلیہ تھی اور اپنی دلیری اور بہادری کی وجہ سے بہت مشہور تھی۔ بارٹل فریر نے مسز میری ویدر کو آنے والے خطرے سے آگاہ کیا اور اسے مشورہ دیا کہ وہ تمام عورتوں اور بچوں کے ساتھ یورپین رجمنٹ کی ایک بیرک میں پناہ لیں، لیکن مسز میری ویدر نے اس کی اس بات سے اختلاف کیا اور وہیں رہنا پسند کیا، کیوں کہ اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں نقل مکانی کی صورت میں ایسا نہ ہو کہ کسی مقام پر اس کی انقلابیوں سے مڈبھیڑ ہو جائے، چنانچہ بارٹل فریر نے اس کی اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے اسے یہ صلاح دی کہ خطرے کی حالت میں سمندر کے کنارے ٹھہری ہوئی کشتی کے ذریعے وہ سب کو لے کر منوڑا چلی جائے۔

بارٹل فریر عورتوں اور بچوں کی حفاظت سے مطمئن ہونے کے بعد چھاؤنی کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں اس نے دیسی فوجیوں کی رہائش گاہوں سے آوازیں سنیں جو بہت مدھم تھیں اور پھر جب وہ پریڈ گراؤنڈ پہنچا تو اسے اطلاع ملی کہ خطرے کے لمحات دور ہو چکے ہیں۔ (باقی آئندہ)